ہدایتِ انسانی کا قرآنی اسلوب

سورۃ العصر کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

The Qur'anic Approach towards Human Guidance

(Analytical study in the light of Surah Al-Asr)

Dr. Irum Sultana

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad.

isultana@numl.edu.pk

ABSTRACT

The purpose of this research is to acquaint the misguided and heedless people with the Book of Guidance of Allah Almighty. The method used for the research was descriptive and standard. A review of the literature reveals that the heavenly book is an excellent guide to human life. All the principles of life, rituals of worship, social affairs, ethics, etc. are present in the Quran. Research has shown that there is no guidance except the Book of Allah. Then why are Muslims going astray today? We must contemplate over it. There is a need for every Muslim to study the Holy Qur'an with the same sense and responsibility that this divine book is a perfect guide for human life. The Qur'an is the only book of Allah, which does not belong to any particular class, nation or race, but is the guarantor of the growth and guidance of all mankind. This is the complete way of life, whose eternity and universality will never decay, if the human caravan is moving on a path other than this, and then it is sure to get lost from the straight path and will prove its divine seal on its destruction. Surah Al-Asr is the surah in which Allah Almighty has summarized the guidance of the Holy Qur'an. The Surah alone is enough to motivate in actions such as invitation and guidance and encourages perseverance in these matters.

Key words: Book of Guidance, social affairs, ethics, responsibility, society affairs, comprehensive

اس مضمون کا مقصد "ہدایتِ انسانی کا قرآنی اسلوب، سورۃ العصر کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ" ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فلاح وکامیابی کے لیے کتاب ہدایت نازل فرمائی۔ قرآن مجید ہر زمانے میں زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور سعادت کی ضمانت دیتا ہے۔ قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ربانی ہے، جو کسی خاص طبقہ ، قوم ونسل کا نہیں، بلکہ تمام بنی نوع انسان کی رشد وہدایت کا ضامن ہے۔ یہی وہ مکمل دستور حیات ہے، جس کی ابدیت وآفاقیت کو کبھی زوال نہیں، انسانی کارواں اس راہ کے علاوہ اگر دوسری راہ پر رواں دواں ہوتا ہے، تو اس کا صراط مستقیم سے گم ہونا اور اس کی ہلاکت وبربادی پر الٰہی مہر کا ثابت ہونا یقینی ہے۔

اللہ رب العالمین نے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم کو نازل فرما کر انسانوں پر احسان عظیم فرمایا۔ یہ کلام نازل ہی اسی لئے ہوا ہے کہ سوتے ہوؤں کو جگائے، غافلین کو خبردار کردے، ظالموں اور سرکشوں کو ان کی ہلاکت اور ان کے برے انجام سے آگاہ کردے۔ جو لوگ بھٹکے ہوئے ہیں، انہیں راہِ ہدایت عطا کرے۔

پھر آج مسلمان کیوں بھٹک رہے ہیں؟ ہمیں غور وفکر کرنا ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا مطالعہ کرے اُسی احساس وذمہ داری کے ساتھ کہ اس کتاب الٰہی میں انسانی زندگی کی ضرورت سے تعلق رکھنے والے سارے ہی احکام ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات وغیرہ موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں یا مباحث ایمانی ہیں، جن میں مثبت طور پر توحید، معاد اور رسالت کو دلائل اور براہین سے ثابت کیا گیا ہے یا ملحدین ومشرکین اور منافقین کا مدلل رد وابطال ہے یا مباحث اعمالِ صالحہ ہیں جن میں نہ صرف بنیادی انسانی اخلاقیات سے اخلاقِ عالیہ وفاضلہ تک، بلکہ حقوق اللہ سے حقوق العباد تک، اور عبادت سے معاملات تک شریعت کے جملہ احکام کا احاطہ کر لیا گیا ہے، یا دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کے مباحث ہیں، جن کا جامع عنوان تواصی بالحق ہے یا جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے مباحث اور ان کے ضمن میں صبر ومصابرت کی تلقین وتاکید ہے جو سب تواصی بالصبر کے ذیل میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔ ان تمام کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی اور مستقبل دونوں کے لئے کلمہ "والعصر" جامع ترین عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح گویا سورۃ العصر کی تشریح وتوضیح اور تفصیل واطناب کا پہلا مرحلہ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب ہے، اور اسی کی تکمیل پورے قرآن حکیم کی صورت میں ہوتی ہے۔

سورۃ العصر وہ سورۃ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ہدایت کا خلاصہ مرتب فرمادیا ہے۔ یہ سورۃ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ تعلق مضبوط رکھنے پر ابھارنے کے لئے، نیز ایمان رکھتے ہوئے عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت وارشاد، اور ان امور پر ثابت قدمی جیسے اعمال میں رغبت دلانے کے لئے کافی ہے۔

ہدایتِ قرآنی کی اہمیت

انسان کی اصل ضرورت ہدایت ہے اور ہدایت کا ذریعہ کتاب اللہ ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمایا یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کے ذریعے بنی نوع انسان کی ہدایت کے شکلوں میں احکامات نازل فرمائے۔ لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے ذریعے امت مسلمہ کو جس آخری اور حتمی کتاب سے نوازا وہ قرآن مجید ہے۔ جس کا موضوع ہی "هُدًى لِلنَّاسِ"[(1)] "هُدًى لِلْمُتَّقِينَ"[(2)] "هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ"[(3)] اور "هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ"[(4)] ہے۔

ہدایتِ قرآنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ زندگی کی پُر پیچ راستوں کے درمیان یہ راہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور عقائد و افکار، اخلاق و معاملات اور خصائل و اعمال کے بارے میں صحیح نقطہ نظر پیش کرتی ہے اسکی روشنی میں انسان راہ حق پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔

بلاشبہ قرآن مجید تا قیامت تمام بنی آدم کے لئے ہدایت ہے۔ مگر چونکہ اس کی ہدایت سے فائدہ صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوف خدا ہو۔ جس طرح سورج کی روشنی سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ اسی طرح قرآن کی روشنی سے بھی وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دلوں میں اپنے خالق کی عظمت اور اس کے غضب کا خوف ہو۔

قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے اور یہ کتاب سارے جہان کے لئے سر تا پا ہدایت اور مجسم رحمت ہے فرمانبردار بندوں کو شاندار مستقبل کی خوشخبری سناتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُنْزِلَتْ عَلَيَّ تَوْرَاةٌ مُحْدَثَةٌ , فِيهَا نُورُ الْحِكْمَةِ وَيَنَابِيعُ الْعِلْمِ , لِتُفْتَحَ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا , وَقُلُوبًا غُلْفًا وَآذَانًا صُمًّا , وَهِيَ أَحْدَثُ الْكُتُبِ بِالرَّحْمَنِ))[(5)]

ترجمہ: مجھ پر تورات کا نیا ایڈیشن (قرآن مجید) اتارا گیا، جس میں نورِ حکمت اور علم کے سرچشمے ہیں تاکہ یہ کتاب اس (نورِ حکمت کے سرچشموں) کی بدولت اندھی آنکھوں، بند دلوں اور بہرے کانوں کو کھولے۔ یہ رحمن سے متعلق کتابوں میں سب سے زیادہ تازہ ترین نئی کتاب ہے۔

قرآن کریم رحمت وسکوں اور دُنیا اور آخرت کی سعادت کے لئے نازل کیا گیا ہے، پس جو کوئی اس میں نیک نیتی سے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے اس کلام کے فوائد عطاء فرمائے گا۔

اقسام ہدایت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے حسب حال ذرائع ہدایت سے نوازا ہے۔ مطالعۂ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہدایت بنیادی طور پر دو اقسام پر مشتمل ہے۔

- **ہدایتِ عامہ:** یہ وہ یقینی ہدایت ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو بصورتِ وحی عطا ہوتی ہے اور اُن کے ذریعے وہ عام اِنسانوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ اس کا ذِکر قرآنِ مجید میں یوں ملتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾(6)

ترجمہ: اور ہم نے ان میں سے پیشوا یعنی انبیاء مبعوث کر دیئے جو انہیں ہمارے حکم کی رہنمائی عطا کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اِس ہدایت کا ذکر یوں کیا گیا:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴾(7)

ترجمہ: بیشک ہم نے اُسے سیدھی راہ دِکھا دی ہے، اَب چاہے وہ مان لے یا اِنکار کر دے۔

یہ ہدایت تمام بنی نوع اِنسان کے لئے ہوتی ہے۔ اِس میں کسی کو اِمتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اِسی ہدایت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اِس لحاظ سے قرآن مجید خود کو "هُدًى لِلنَّاسِ" کہتا ہے، کہ یہ قرآن تمام اِنسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ یعنی تمام اِنسانوں کو بلا اِمتیازِ رنگ و نسل نورِ ہدایت مہیا کرتا ہے یہ ہدایت ہر ایک کو زِندگی کا مقصد اور منزل کا شعور عطا کرتی ہے۔ اسے ہدایتِ عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

- **ہدایتِ خاصہ:** یہ ہدایتِ ربانی کا دُوسرا درجہ ہے، جو ہدایت عامہ کے بعد بالخصوص اہل یمان کو نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر اِیمان لانے کے بعد سعادت اخروی کی منزل مقصود کے حصول کے لئے کوشاں ہو جاتے ہیں اُنہیں اللہ تعالیٰ اس خاص ہدایت کی دولت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ یہ ہدایت اُس راستے کی مفصل نشاندہی پر مبنی ہوتی ہے جو اصل منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ملتا ہے:

﴿وَمَن يُؤْمِن بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ﴾(8)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ پر اِیمان لے آئے اس کے دل کو صحیح رہنمائی عطا کر دی جاتی ہے۔

مزید ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ﴾ (9)

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں ان کا ربّ ان کے ایمان کے باعث (جنتوں تک) پہنچادے گا۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ ہدایت کا وہ مقام ہے جو صرف ایمان اور اَعمالِ صالحہ کے نتیجے میں سامنے آتا ہے۔

ہدایتِ قرآنی میں سورۃ العصر کا مقام اور فضیلت

سورۃ العصر وہ سورۃ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ہدایت کا خلاصہ مرتب فرمادیا ہے۔ یعنی اس کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لو ما أنزل الله تعالى على خلقه حجة إلا هذه السورة لكفتهم" (10)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بطور حجت (دلیل) کے صرف اسی ایک سورت کو نازل فرماتے تو یہ (ان کی ہدایت کے لئے) کافی ہوتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ان کی مراد یہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں سورۃ العصر کے علاوہ اور کچھ بھی نازل نہ ہوا ہوتا تو صرف یہ سورت ہی لوگوں کی نجات کے لئے کافی ہو جاتی۔

یہ سورۃ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ تعلق مضبوط رکھنے پر ابھارنے کے لئے، نیز ایمان رکھتے ہوئے عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت وارشاد، اور ان امور پر ثابت قدمی جیسے اعمال میں رغبت دلانے کے لئے کافی ہے، نہ کہ اس کا مفہوم یہ سمجھ لیا جائے کہ: "یہ سورۃ مخلوق کے لئے پوری شریعت طاہرہ پر عمل کرنے کے لئے کافی ہے"

اس سورۃ کی فضیلت کے بارے میں "**مجمع البیان فی تفسیر القرآن**" میں آیا ہے:

"من قرأ "والعصر"فی نوافله بعثه الله يوم القيامة مشرقاً وجهه، ضاحكاً سنّة قريرة عينه، حتىٰ يد خل الجنة "(11)

ترجمہ: جو شخص سورۂ "والعصر" کو نافلہ نمازوں میں پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کا چہرہ نورانی اور اس کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے روشن اور ٹھنڈی ہوگی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ یہ سب اعزاز و افتخار اور سرور و شادمانی اس شخص کے لیے ہے، جو اپنی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل کرے گا، نہ کہ صرف پڑھنے پر ہی قناعت کرے۔

وَالْعَصْرِ کا مفہوم:

والعصر میں حرف "واو" قسم کے لئے استعمال ہوا ہے اور قسم سے اصل مراد شہادت اور گواہی ہے اور عصر کے معنی زمانہ کے ہیں۔ لیکن عصر کا اصل مفہوم صرف زمانہ نہیں بلکہ تیزی سے گزرنے والا زمانہ ہے۔ گویا لفظ والعصر کا حقیقی مفہوم یہ ہوا کہ تیزی سے گزرتا ہوا زمانہ شاید ہے اور گواہی دے رہا ہے۔

لفظ "عصر" کی تحقیق کے سلسلے میں مولانا حمید الدین فراہی فرماتے ہیں کہ:

"اعلم أن كلمة العصر اسم للزمان من جهة ذهابه ومروره، كما أن الدهر اسمه من حيث مجموعه. ولذلك يستعمل العصر كثيراً للأيام الخالية"(12)

ترجمہ: عصر کے معنی زمانے کے ہیں۔ جس طرح لفظ "دھر" میں زمانہ کی مجموعیت کا اعتبار ہے اسی طرح لفظ "عصر" میں اس کے گزرنے اور اس کی تیز روی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس کا غالب استعمال گزرے ہوئے زمانہ ہی پر ہوتا ہے۔

مولانا مودودی لفظ "عصر" کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ: "زمانے کا لفظ گزرے ہوئے زمانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور گزرتے ہوئے زمانے کے لیے بھی جس میں حال درحقیقت کسی لمبی مدت کا نام نہیں ہے۔۔۔ یہاں چونکہ مطلقا زمانے کی قسم کھائی گئی ہے اس لیے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں"(13)

ابن کثیر اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"الْعَصْرُ: الزَّمَانُ الَّذِي يَقَعُ فِيهِ حَرَكَاتُ بَنِي آدَمَ، مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ"(14)

ترجمہ: عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے۔

یعنی زمانے سے مراد، شب و روز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آنا ہے یہی مرور ایام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگیر پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے۔

اس قسم کے ذریعے بیان فرمایا گیا ہے کہ عمر رواں اور حیات مستعار ہی انسان کا راس المال اور اس کی وہ عظیم الشان پونجی ہے جس میں وہ آخرت کی حقیقی و ابدی زندگی کی دائمی فوز و فلاح کا سامان کر سکتا ہے۔

زمانہ کی قسم اس لئے کھائی گئی ہے کہ اس قسم سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے ان واقعات کی طرف توجہ دلائی ہے جو قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں بیان ہوئے ہیں۔ دوسری طرف لوگوں کو اس سے جھنجھوڑا ہے کہ لوگ اپنی زندگیاں غفلت میں نہ گزاریں بلکہ پوری مستعدی سے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ انہی تیز رو لمحات کے بدلے وہ ابدی بادشاہی حاصل کر سکتے ہیں اگر انھوں نے ان کی صحیح قدر پہچانی اور اگر ان کی قدر نہ پہچانی تو یاد رکھیں کہ یہ ان کے لئے ابدی لعنت بن جائیں گے۔

علاوہ ازیں اس قسم میں ایک اور نازک نکتہ بھی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ انسان کا اصل راس المال زمانہ ہی ہے۔ جس میں وہ آخرت کے لیے پونجی جمع کرتا ہے اور زمانے (وقت) کا حال یہ ہے کہ تیز روی اور برق رفتاری میں کوئی چیز بھی اس سے بڑھ کر نہیں ہے۔ پھر یہ انسان کی کیسی نادانی ہے کہ وہ زمانہ کی اس بے وفائی سے واقف ہونے کے باوجود اس پر بھروسہ کرتا اور زندگی کی بے ثباتی، قیامت کی بازپرس اور جزائے عمل کے قانون سے غافل ہے۔

لیکن اگر انسان چاہے تو اس تھوڑی سی مدت میں بھی اجر و ثواب کا ایک لازوال خزانہ جمع کر سکتا ہے۔ ایک عاقل اسی فانی زندگی کے چند دنوں کے اندر، جن کی حقیقت ایک خواب سے زیادہ نہیں، تقویٰ اور ضبط نفس کی آزمائشیں جھیل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسکی محبت کا ابدی تخت و تاج حاصل کر لیتا ہے۔ جبکہ ایک بدبخت انسان خواب غفلت اور شیطان کی ترغیبات کے جال میں پھنس کر اپنے آپ کو ابدی مسرت و کامیابی سے محروم کر لیتا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ

یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں، پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد آرام اور راحت نہیں ہوتی، بلکہ وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کہتے ہیں کہ: گزشتہ بزرگوں میں سے ایک کہتے ہیں کہ اس سورۃ کا معنی میں نے ایک برف پوش شخص سے سیکھا ہے جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ:

"ارْحَمُوا مَنْ يَذُوبُ رَأْسُ مَالِهِ، ارْحَمُوا مَنْ يَذُوبُ رَأْسُ مَالِهِ"

ترجمہ: اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے، اس شخص پر رحم کرو جس کی پونجی پگھل رہی ہے۔

میں نے اپنے آپ سے یہ کہا ہے:

"إِنَّ الْإِنْسانَ لَفِي خُسْرٍ يَمُرُّ بِهِ الْعَصْرُ فَيَمْضِي عُمُرُهُ وَلَا يَكْتَسِبُ فَإِذَا هُوَ خَاسِرٌ"(15)

ترجمہ: انسان پر زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے اور اسی کی عمر ختم ہو جاتی ہے اور وہ کوئی ثواب حاصل نہیں کرتا اور وہ اس حال میں خسارے میں ہے۔

یہ زندگی عظیم الشان دولت ہے، برف کے ڈلے کی طرح مسلسل پگھلتی اور لمحہ بہ لمحہ انسان کے ہاتھ سے نکلتی جارہی ہے اور اس کا جو حصہ گزر گیا وہ پھر کسی بھی قیمت پر انسان کو واپس نہیں مل سکتا، تو پھر اس سے بڑھ کر خسارے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ جس کا سرمایہ زندگی اس طرح لمحہ بہ لمحہ ختم ہو رہا ہے، اور وہ اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی اس کے تقاضوں اور اس کے لیے تیاری سے غافل و بے خبر ہو، اور حیات مستعار کی جس محدود فرصت کو وہ اپنے رب کی رضا میں صرف کر کے آخرت کی کامیابی کی لازوال دولت اور ابدی بادشاہی سے سرفرازی ہو سکتا تھا،، اس کو وہ خواہشات نفس کی تحصیل و تکمیل میں گنوا کر اور اس دنیا عارضی و فانی لذتوں پر ریجھ کر ابدی ذلت و لعنت کا ذریعہ بنا دے۔

مفتی شفیع انسان کے خسارے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ: "انسان کی عمر کا زمانہ اس کے سال اور مہینے اور دن رات بلکہ گھنٹے اور منٹ اگر غور کیا جائے تو یہی اس کا سرمایہ ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت کے منافع عظیمہ عجیبہ بھی حاصل کر سکتا ہے اور عمر کے اوقات اگر غلط اور برے کاموں میں لگا دیئے تو یہی اس کے لئے وبال جان بھی بن جاتے ہیں"(16)

بعض علماء نے فرمایا ہے۔

"حَيَاتُكَ أَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَكُلَّمَا ... مَضَى نَفَسٌ مِنْكَ انْتَقَصْتَ بِهِ جُزْءَا"(17)

ترجمہ: یعنی تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے۔ جب ان میں سے ایک سانس گزر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے۔

یعنی ہر سانس جو انسان لیتا ہے اس سے موت کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر انسان کے دل کی ہر حرکت اسے اختتام عمر سے ایک قدم اور زیادہ نزدیک کر دیتی ہے۔ اس طرح سے اس قطعی نقصان کے مقابلہ میں کوئی ایسا کام کرنا چاہئیے جس سے خالی جگہ پر ہو جائے۔

خسارے کی حقیقت

درحقیقت میں خسارہ دنیا میں انعامات سے محرومی نہیں بلکہ آخرت میں جنت الفردوس کے حصول میں ناکامی، دیدار الٰہی سے محرومی اصل خسارہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾(18)

ترجمہ: پھر جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا ہے تو وہ کامیاب ہو گیا اور یہ دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔

یعنی کامیابی کا معیار یہ ہے کہ انسان دوزخ کے عذاب سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ دنیا میں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ حق پر ہے اور اللہ کے ہاں مقبول بندہ ہے۔ اسی طرح کسی کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اللہ اس سے ناراض ہے یا وہ باطل پر ہے۔ بلکہ بسا اوقات اخری نتائج ان کے برعکس ہوتے ہیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری زیب و زینت میں اتنی کشش ہے اور اتنی پر فریب ہے جس میں مگن ہو کر انسان بسا اوقات آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور غافل رہتا ہے۔ تا آنکہ جب موت آجاتی ہے تب اس کی آنکھیں کھلتی ہیں کہ مجھے دنیا میں رہ کر کرنا کیا چاہئے تھے اور میں کرتا کیا رہا۔

غرضیکہ انسان کی کوئی بھی حالت ہو وہ امتحانی دور سے گزر رہا ہے۔ اور آخرت میں اسے اس کے اعمال کے مطابق اچھا یا برا بدلہ مل کے رہے گا۔ اس لحاظ سے دنیا اور اس کی زندگی بلکہ اس کا ایک ایک لحہ نہایت قیمتی ہے۔ سو عقل و نقل کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت اور وہاں کی کامیابی ہی کو اپنا مطمح نظر اور مقصود حیات بنایا جائے۔ نہ کہ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی کو۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

سورہ عصر کا اصل موضوع یہی ہے کہ انسان خسارے سے کیسے بچ سکتا ہے وہ کون سی شرائط ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان فلاح دارین حاصل کر سکتا ہے۔

- **پہلی شرط ایمان:** نقصان سے بچنے کی پہلی شرط جو بتائی جارہی ہے وہ اسلام کی دعوتِ انقلاب پر ایمان ہے۔ یعنی توحید جو اسلام کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور نقطۂ کمال بھی، مطالبہ یہ ہے کہ ہر وہ فرد جو اپنے آپ کو مسلم خیال کرتا ہے، اپنا جائزہ لے کر دیکھے کہ اس کے فکر و عمل میں توحید کتنی موجود ہے یا اسلام پر ایمان کے دعوے کے

باوجود اس نے بے شمار خداؤں کو گوارا کیا ہوا ہے؟ کیا اس کا وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی میں صرف ہو رہا ہے یا معاشرے میں رائج رسوم ورواج، طور طریقوں اور لادینی تہذیب کی خدمت میں صرف ہو رہا ہے؟

دراصل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، اللہ تعالیٰ کی شریعت پر استقامت ہو، رضائے الٰہی کے کاموں کیلیے کوشش، اللہ تعالیٰ کے غضب ناراضگی اور عذاب کا موجب بننے والے امور سے اجتناب ہو۔

یہ ایمان اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اللہ کی کتاب سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں اور کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اس کی تلاوت، غور وفکر کے ساتھ کرتے ہیں اور اس پر قائم رہتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾(19)

ترجمہ: مومن تو حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ پڑے۔

اگر اہلِ ایمان، ایمان کے بنیادی تقاضوں کو جیسا کہ ان کا حق ہے اختیار کرلیں تو پھر قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۔ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴾(20)

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تمنا کرو گے وہ تمہاری ہو گی۔

- **دوسری شرط عمل صالح:** عمل صالح یہ ہے کہ جب بھی زندگی میں آپ کوئی کام کرنے لگیں تو اس کے بارے میں یہ تحقیق کرلیں کہ کیا یہ کام کہیں اللہ کے ممنوع کیے گئے کاموں میں سے تو نہیں ہے یا اس کے انجام دینے سے دین کی ان تعلیمات پر حرف تو نہیں آتا جو قرآن وسنت کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ اگر ممنوع ہو تو ترک کردیں اور جائز ہو تو کر گزریں اس روش کو عمل صالح کہتے ہیں۔

یعنی ہر وہ "قول" یا "فعل" جو بندۂ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے قریب کردے (اس شرط کے ساتھ) کہ کہنے والا یا ادا کرنے والا شخص ایک تو اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو اور دوسرے وہ حضرت محمد ﷺ کی (اس قول وفعل میں پوری طرح) اتباع کرنے والا ہو۔ ایمان کے بعد عملِ صالح پر زور دیا گیا کہ امت مسلمہ کو آگے چل کر جس نظامِ حق

کو نافذ کرنا مقصود ہے، وہ اندر کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے۔ ہاں، کامیابی کی اوّلین شرط ایمان کا دل و نگاہ کی گہرائی میں بس جانا اور عملِ صالح کی شکل میں ظاہر ہونا ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ـ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾[21]

ترجمہ: کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمایش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟

- **تیسری شرط تواصوا بالحق** (آپس میں حق بات کی نصیحت) اور یہ نصیحت بھلائی اور نیکی کے کام پر اکسانے اور اس میں رغبت دلانے کے لئے ہو۔ یہ منہج مسلم معاشرے پر حق بات، نیکی اور تقوی پر باہمی تلقین لازمی قرار دیتا ہے، نیز اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ عدل، خیر و بھلائی، اور بلند اخلاقی اقدار اپنی زندگی میں عام کرنے کیلیے کوشاں رہیں۔
- **چوتھی شرط تواصوا بالصبر** (آپس میں صبر و استقامت کی نصیحت) کہ ہر کوئی اپنے دوسرے بھائی کو اللہ تعالیٰ کے جملہ احکامات کی پیروی پر قائم رہنے اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری فیصلوں پر راضی رہنے کی تلقین کرے۔

الغرض یہی وہ چار اہم شرائط ہیں جن پر عمل پیرا ہو کے انسان خسارے سے بچ سکتا ہے۔ یعنی ایمان کا نتیجہ ہے عمل اور عمل کا نتیجہ ہے دعوت اور دعوت کا نتیجہ ہے صبر اور اگر یہ کام اس ترتیب سے ہوتے نظر نہیں آرہے یعنی ایمان سے عمل اور عمل سے دعوت اور دعوت سے صبر جنم لیتا ہوا نظر نہیں آرہا تو کہیں گڑبڑ ہے کہیں ڈنڈی ماری گئی ہے۔ کہیں باطل کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے۔ کوئی نورا کشتی ہو رہی ہے۔

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کا آپس میں تعلق

یعنی جب بھی کوئی انسان معاشرے میں حق کی دعوت لیکر اٹھے گا تو اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں گے اور اسے صبر کی منزلیں طے کرنی پڑیں گی۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی کو دیکھیں اور خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں کا مشاہدہ کریں۔ جب انہوں نے حق کی دعوت دینی شروع کی تو ان پر سختیوں مصیبتوں اور مشکلوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور پھر وہ ان سختیوں کے مقابلے میں صبر کے پہاڑ بن گئے۔

حق بات کی نصیحت اور صبر و استقامت کی ایک دوسرے کو تلقین، یہ دونوں اوصاف (الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر) کے ضمن (ذیل) میں آتے ہیں، اور یہی وہ دونوں (دعوت و تبلیغ کے) اصول ہیں جن کی بناء پر اس امت مرحومہ کا ثبات، اس کی بقاء اس کی فتح و نصرت اور شرف و عزت کا حصول ممکن ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[22]

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی خاطر اٹھائی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں امت مسلمہ کو "**خیر امت**" قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو خیر امت ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔

تم بہترین امت صرف اس لئے ہو کہ تم برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک مسلمان اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے رہیں گے وہ بہترین امت رہیں گے اور جب انہوں نے اس فریضہ سے کوتاہی کی تو پھر بہترین امت نہیں رہیں گے۔

ہر ایک کو اپنی اپنی حیثیت اور قوت کے مطابق اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونا لازم ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))[23]

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص جب کوئی برائی دیکھے تو اسے بزور بازو ختم کر دے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو زبان سے ہی روکے اور اگر اتنا بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم دل میں ہی اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور تر درجہ ہے۔

سو ایمان باللہ کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کی سب سے اہم اور امتیازی خصوصیات ہیں۔ جس پر اس کی عزت و عظمت کا دارومدار رہا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب یہ امت اس معیار پر پوری اتری تو اس

کو ایسی سچی اور حقیقی عزت و عظمت سے نوازا گیا کہ چشم فلک نے اس کی کوئی نظیر و مثال کبھی نہیں دیکھی۔ اور جب اس نے اس سے تغافل برتا تو اس کو ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔

انسان کے لئے نجات کا راستہ:

سید قطب شہید اس بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"في هذه السورة الصغيرة ذات الآيات الثلاث يتمثل منهج كامل للحياة البشرية كما يريدها الإسلام. وتبرز معالم التصور الإيماني بحقيقته الكبيرة الشاملة في أوضح وأدق صورة. إنها تضع الدستور الإسلامي كله في كلمات قصار. وتصف الأمة المسلمة: حقيقتها ووظيفتها.في آية واحدة هي الآية الثالثة من السورة ... وهذا هو الإعجاز الذي لا يقدر عليه إلا الله ...والحقيقة الضخمة التي تقررها هذه السورة بمجموعها هي هذه :إنه على امتداد الزمان في جميع الأعصار ، وامتداد الإنسان في جميع الأدهار ، ليس هنالك إلا منهج واحد رابح، وطريق واحد ناج. هو ذلك المنهج الذي ترسم السورة حدوده، وهو هذا الطريق الذي تصف السورة معالمه. وكل ما وراء ذلك ضياع وخسار... إنه الإيمان. والعمل الصالح. والتواصي بالحق. والتواصي بالصبر ..."[(24)]

ترجمہ: یہ مختصر سورۃ جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے ایک مکمل اسلامی نظام کو پیش کرتی ہے اور ایمانی تصور حیات کے نمایاں خدوخال کو نہایت دقیق شکل میں پیش کرتی ہے۔چند کلمات میں دستور حیات کو قلم بند کر دیا جاتا ہے۔ امت مسلمہ کو بتا دیا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے فرائض کیا ہیں؟ یہ دستور حیات پوری انسانیت کے لئے ہے اور یہ حقیقت تمام زمانوں میں یہی ہے کہ انسان کی کامیابی کا منہاج صرف ایک ہی ہے۔ ایک ہی راستہ نجات کا ہے جسے یہاں پیش کر دیا گیا ہے۔ صحیح راستے کے نشانات وہی ہیں جو اس سورۃ نے قلم بند کر دیئے ہیں اور یہ کہ اس کے سوا جس قدر راستے اور طریقے ہیں وہ ٹیڑھے اور تباہی کے ہیں۔ فقط ایمان، عمل صالح، حق کی وصیت اور صبر کی تلقین کی راہ ہی راہ راست ہے۔

یعنی خسارے سے صرف وہی لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے۔ اور اس وجہ سے ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔ یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و شریعت فرائض پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر

صبر، لذات وخواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تواصی بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا، جس سے اس کا شرف وفضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

مفتی محمد شفیع اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

"قسم ہے زمانہ کی (جس میں رنج وخسران واقع ہوتا ہے) کہ انسان (اپنی عمر ضائع کرنے کی وجہ سے) بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (جو اپنے نفس کا کمال ہے) اور ایک دوسرے کو حق (پر قائم رہنے کی فرمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (عمال کی) پابندی کی فرمائش کرتے رہے (جو دوسریوں کی تکمیل ہے تو جو لوگ یہ کمال حاصل کریں اور دوسریوں کی بھی تکمیل کریں) یہ لوگ البتہ خسارے میں نہیں بلکہ نفع میں ہیں"(25)

یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ یہ صفت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا اصل ذریعہ ووسیلہ ہے اور اس کی اساس وبنیاد ہے، اس کے بغیر خسارہ ہی خسارہ ہے۔ پس انسان کی اصل قدروقیمت ایمان وعقیدہ، اور عمل وکردار ہی سے ہے۔ اور ایمان کے بعد جس دوسری چیز کا یہاں ذکر فرمایا گیا وہ ہے عمل صالح، جنہوں نے کام بھی نیک کیے ہوں، یعنی اپنے رب کے احکام اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی ہدایات وتعلیمات کے مطابق۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی "یعنی محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرئے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھے۔

کیونکہ دین اسلام کی تعلیمات مقدسہ انسان کو یہ درس دیتی ہیں کہ وہ صرف فرد اور خود غرض بن کر نہ رہے، بلکہ پورے معاشرے کی اور اس سے بھی آگے بڑھ کر تمام بنی نوع انسان کی اصلاح کی فکر وکوشش کرے، اور اپنی ہمت ووسعت کے مطابق اس سب کو فساد وبگاڑ سے بچانے کی کوشش کرے، کیونکہ معاشرے کی اصلاح وپاکیزگی میں سب کا بھلا اور فائدہ ہے اور اس کی بگاڑ میں سب کی ہلاکت وتباہی۔

فوز وفلاح سے سرفرازی کے لئے "تواصی بالصبر" ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین بھی کرتے رہے، کہ وہ راہ حق میں ثابت قدم رہیں اور برائی اور برائی سے دور رہیں۔ اسی طرح حق کی پیروی واتباع میں جو بھی مشکلات ان کو پیش آئیں ان پر صبر وبرداشت ہی سے کام لیں۔

سو ایمان وعمل صالح اور "تواصی بالحق" اور "تواصی بالصبر" کی یہ چار صفات جن لوگوں کے اندر موجود ہوں گی، وہی اس خسران ونقصان سے محفوظ رہیں گے اور وہی لوگ کامیاب وکامران ہوں گے، ان کے سوا باقی تمام

لوگ قطعی طور پر خسارے میں ہے، خواہ وہ کوئی بھی اور کہیں بھی ہو کیسا ہی ہو۔

یہ ہے وہ بات کہ جسے اگر پلے باندھ لیا جائے تو انسان کی نجات کی بنیادی شرائط پوری ہو جاتی ہیں۔اس کی نجات کی شرطوں میں کوئی کمی نہیں رہتی۔

نقصان سے بچنے کی شرائط

ہر انسان واضح گھاٹے اور نقصان میں جا رہا ہے سوائے اس کے جو ان چار صفات سے متصف ہو اور وہ چار صفات یہ ہیں:

1. ایمان
2. عمل صالح
3. حق بات کی ایک دوسرے کو نصیحت
4. ایک دوسرے کو "صبر" کی تلقین

امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نفس سے جہاد" کے چار (4) درجات ہیں:

- **پہلا:** کہ انسان اس نفس کو ہدایت اور دین الٰہی سیکھنے پر تیار کرے، وہ سچا دین کہ اس کے بغیر انسان کے لئے نہ دنیا و آخرت میں کامیابی ہے، نہ اس کی معاش و معیشت میں کوئی سعادت مندی ہے اور نہ آخرت میں کوئی سرخروئی ہے۔
- **دوسرا:** دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو کچھ اس نے "دین حق" کی بابت سیکھا ہے اس پر عمل کے لئے اپنے "نفس" سے جہاد کرے، (یعنی علم کے مطابق ٹھوس انداز سے عمل ہو اور کوئی مداہنت نہ ہونے پائے)
- **تیسرا:** کہ وہ اس "دین حق" کی طرف دعوت کے لئے اور جسے علم نہیں، اس کو "تعلیم" سے آراستہ کرنے کے لئے اپنے نفس (یعنی خود) کو تیار کرے، (اور اس بارے میں کوئی سستی اور غفلت نہ برتے)
- **چوتھا:** کہ اس "نفس" کو صبر و استقامت کا خوگر بنائے، نیز اللہ کی طرف دعوت دینے پر آنے والی مشکلات اور مخلوق کی ایذا اور مخالفتوں کو "صبر" کی قوت سے برداشت کرے، اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اللہ جل شانہ کی رضا کے لئے سہے، تو جب اس نے (جہاد نفس کے) ان چار مراتب کو مکمل کر لیا، تو وہ ربانیین (رب کے حقیقی اور مقرب بندوں) میں سے ہو جائے گا۔(26)

سورۃ العصر سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل:

الطبرانی بیان کرتے ہیں کہ:

"كَانَ الرَّجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَيَا لَمْ يفترقا إِلَّا عَلَى أَنْ يَقْرَأَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ سُورَةَ الْعَصْرِ إِلَى آخِرِهَا، ثُمَّ يُسَلِّمُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ"[27]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے دو حضرات اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کو سورۃ العصر نہ سنا لیتا اس کے بعد ہی ان میں سے ایک دوسرے کو الوداعی سلام کہتا۔

یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ مجلس کے اختتام پر سورۃ العصر پڑھتے۔

خلاصہ بحث

پورے قرآن کا خلاصہ "سورۃ العصر" میں بیان کیا گیا ہے اور یہ سورۃ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ وہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ جو کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے ایک دوسرے کو حق بات، صبر و ایمان کی تلقین کرتے رہے۔

سورۃ العصر انسانیت کی فلاح کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ یہ مکمل طور پر قرآن پاک کا خلاصہ ہے زمانہ تیزی سے گزر رہا ہے اور یہ زمانہ ہمیں جس بات کا درس دیتا ہے۔ ہمیں اس بات پر عمل کرنا چاہیے اور آخرت کی تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ جب تک ہمارے پاس زادے رہ نہیں ہو گا تو ہم کیسے کامیابی سے اپنا سفر مکمل کر سکیں گے، موت تو اچانک آنے والی چیز ہے اور کسی بھی وقت آسکتی ہے، موت کے لئے جوان بوڑھا کوئی نہیں سب ہی برابر ہیں اس لئے ہمیں موت کی تیاری کرنی چاہیے۔ ہر لمحہ، ہر وقت ہم موت کے قریب سے قریب تر جا رہے ہیں۔

اگر ذرا غور کیا جائے کہ ہمارے پاس قرآن کریم جیسی نعمت ہونے کے باوجود آج ہم رسوا کیوں ہیں؟ ہم کیوں دن بدن پستی کی طرف گامزن ہیں؟ کیونکہ آج ہم قرآن کو اپنے گھروں میں سجا کر رکھ تو دیتے ہیں، اسے عقیدت سے چوم تو لیتے ہیں لیکن اسے پڑھنے اور سمجھنے سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، اس لیے آج ہم پستی کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

قرآن مجید کی عظمت دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[28]

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

یعنی کہ پہاڑ جیسی سخت ماندہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے کلام سے ریزا ریزا ہو سکتی ہے، لیکن آج ہمارا حال دیکھئے کہ دن رات قرآن کو سنتے تو ہیں لیکن آنکھوں سے دو قطرے آنسوں باہر نہیں آتے۔ کیونکہ آج ہم اسلامی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں اور آج ہمارے آئیڈیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر فلمی اداکار اور کھیلوں کے کھلاڑی بن چکے ہیں اور دنیا کی طمع نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا اور اندھا کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ اقبال نے کہا ہے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق![29]

دور حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف کشت وخون ہو تا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ حق اور صبر سے بالکل غافل ہو چکی ہے آج ہم ایمان کا اقرار تو کرتے ہیں مگر دل ایمان کی لذت سے محروم ہیں اگر نیکی کا کوئی عمل کر لیں تو دل میں ایک تڑپ فوراً ہی کروٹ لیتی ہے کہ لوگ یہ کہیں گے فلاں آدمی بڑا نیک متقی اور پرہیز گار ہے دراصل ہم نیکی اور پرہیز گاری اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لئے نہیں کرتے بلکہ دنیا کو دکھانا مقصود ہے۔ اپنے بھائی کے حق کو دبانے کی ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح بھی اس کی فلاں چیز میرے پاس آجائے چاہیے وہ ناحق طریقے سے ہی کیوں ہو۔

آج ہم اس فانی دنیا کی رنگینیوں میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ اپنے رحیم وکریم رب کو بھول بیٹھے ہیں اور حق کی راہ سے کوسوں دور ہو چکے ہیں، بلکہ یہاں یہ کہنا زیادہ معقول ہو گا کہ حق اور صبر ہم سے دور نہیں ہوئے بلکہ ہماری بد اعمالی کی وجہ سے رب کائنات نے ہم سے ہدایت کو دور کر دیا ہے۔

آج بھی دیر نہیں ہوئی ہے ابھی ہماری آنکھیں کھلی ہیں آیئے آج ہی قرآن کریم کو سیکھنا اور سمجھنا شروع کریں، اور اس پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ حق پر چلنے کی ہمت عطاء فرمائے۔ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا اور آپ کا دِل اُس کی کتاب کے فہم کے لئے کُشادہ فرما دے اور اس کی کتاب میں اُس طرح تدبر کے لئے کُشادہ فرما دے جس طرح کہ وہ ہم سے راضی ہو۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن مجید باغور ودقت سے مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جیسا ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کیا کرتے تھے۔ آمین

حوالہ جات

1۔ سورۃ البقرۃ:2/185

2۔ سورۃ البقرۃ:2/2

3۔ سورۃ النمل:27/2

4۔ سورۃ لقمان:31/3

5۔ أبو بکر بن أبي شیبہ، عبد اللہ بن محمد بن إبراہیم، الکتاب المصنف في الأحادیث والآثار، ،مکتبہ الرشد ،الریاض، الطبعہ الأولی، 1409ھ،کِتَابُ الْفَضَائِلِ،بَابُ مَا أَعْطَى اللَّهُ تَعَالَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،حدیث:۳۱۷۳۸،ص:6/318

6۔ سورۃ السجدہ:32/24

7۔ سورۃ الدھر:76/3

8۔ سورۃ التغابن:64/11

9۔ سورۃ یونس:10/9

10۔ الشافعي، أبوعبد اللہ محمد بن إدریس، تفسیر الإمام الشافعي، دار التدمریہ، المملکہ العربیہ السعودیہ، الطبعہ الأولی2006م، ص:3/1461

11۔ الفضل بن الحسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، دار المرتضی، بیروت، الطبعۃ الاولی2006ء، ص:10/334

12۔ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان، ص:383

13۔ ابوالاعلی مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن،لاہور، 1997ء، ص:6/449

14۔ ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، الطبعہ الثانیہ، 1999م، ص:8/480

15۔ فخر الدین الرازی، أبو عبد اللہ محمد، مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، الطبعہ الثالثہ، 1420ہ، ص:32/278

16۔ معارف القرآن، ص:8/812

17۔ أبن حیان الأندلسی، محمد بن یوسف، تفسیر البحر المحیط، دار الفکر، بیروت، الطبعہ 1420ھ، ص:9/20

18۔ سورۃ ال عمران:3/185

19۔ سورۃ الحجرات:49/15

20۔ سورۃ حم السجدہ:41/30-31

21۔ سورۃ العنکبوت:29/2-3

22۔ سورۃ آل عمران:3/110

[23] ۔ أبوالحسین مسلم، صحیح مسلم، دارالجیل، بیروت، کتاب الایمان، باب بَيَانِ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنَ الإِيمَانِ، ص:1/50

[24] ۔ سید قطب إبراهيم حسين، في ظلال القرآن، دارالشروق، بیروت، القاهرة، الطبعة السابعة عشر1412ه۔، ص:6/3964

[25] ۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی، اکتوبر2005ء، ص:8/811

[26] ۔ مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والإرادۃ، ابن قیم الجوزیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سنہ الطبع:1419ھ،1998ء، ص:1/59

[27] ۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ الأولی1419ھ، ص:8/456

[28] ۔ سورۃ الحشر:59/21

[29] ۔ علامہ اقبال، ضرب کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ص:44